Woodbrooke Series.

RELIGION AND SCIENCE.

BY

PROF. LOOTFY LEVONIAN.

مذہب و سائنس

مُصنّفہ

پروفیسر لُطفی لیوونیان صاحب

مقیم بیروت

پنجاب ریلیجس بُک سوسائٹی

انارکلی - لاہور

The Punjab Religious Book Society,

Anarkali, Lahore.

RELIGION AND SCIENCE.

مذہب و سائنس

مذہب اور سائنس کے باہمی تعلق کا مسئلہ دیگر مسائل کی نسبت سب سے زیادہ غور طلب ہے۔ ہمارا زمانہ سائنس کا زمانہ ہے۔ گذشتہ صدی میں سائنس نے حیرت انگیز ترقی کی ہے اور اس کی ایجادات اور معلومات ایسی ہیں جن کو دیکھکر یا سُنکر انسان بحرِ تحیر میں غرق ہو جاتا ہے۔ مثلاً بخارات کی طاقت جس کے ذریعہ سے ریل اور متعدد کارخانے جاری ہیں اور برقی طاقت جس کے باعث ہمارے گھر روشن ہیں اور جو تاریکی کو نُور سے بدل ڈالتی ہے۔ موٹر کار جو نہایت تیز رفتاری سے رُوئے زمین پر دوڑتی پھرتی ہیں۔ ہوائی جہاز جو کُرۂ ہوا میں پرواز کرتے ہیں۔ سُرنگیں جو ایسے پہاڑوں کے نیچے سے ہو کر جاتی ہیں جو آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ پُل ہائے آویزاں۔ جہاز جو پانی کی سطح کے نیچے سفر کرتے ہیں۔ تار برقی۔ ٹیلیفون اور اسی قسم کی اور بیشمار ایجادات سائنس کی ترقی کا نتیجہ ہیں جو گذشتہ سَو سالوں میں معرضِ وجود میں آئی ہیں۔ موجودہ صدی کی عقلی ترقی اور ایجادات کی زیادتی اس قدر ہے کہ اس کا تصور حکمائے سلف کے زعم میں آنا بھی دُشوار ہوتا

سائنس کی اس حیرت انگیز ترقّی اور اس کی ایجادات نے انسان کو مادّہ پرستی کی جانب مائل کر دیا ہے۔ یہ ایجادات ہماری انسانی ضروریات کو رفع کریں اور ہم کو اپنی طرف راغب کریں اور ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔ اسی وجہ سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ "جبکہ اس قدر عجیب و غریب ایجادات ہمارے پیشِ نظر ہیں جن کو ہم ہاتھ لگا سکتے اور آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں تو پھر مذہبی اور اخلاقی۔ رُوحانی اور فرضی تصوّرات اور اعتقادات کی کیا ضرورت ہے جن کو نہ تو ہم چُھو سکتے اور نہ ہی اپنی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں۔ پس آؤ ہم اس امر کی جدوجہد اور کوشش وسعی کریں کہ ترقّی کے ذرائع اور علم و سائنس کی تکمیل کے وسائل پیدا کریں۔ فقط یہی ایک طریقہ ہے جس کی وساطت سے ہم انسانی خوشی و خُرمی کو حاصل کر سکتے ہیں اور اس کو محفُوظ رکھ سکتے ہیں . . . " مختلف مقاموں میں مذہب کے خلاف کشمکش اور بے پروائی کا انداز علانیہ طور پر رد پذیر ہوتا ہے بالخصوص مشرقی ممالک میں جو حال ہی میں خوابِ غفلت سے بیدار ہو رہے ہیں۔

یہ نہایت افسوسناک بات ہے کہ یہ عقلی ترقی اسی حد تک ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس سے بھی تجاوز کر جاتی ہے۔ سائنس کی اس ترقّی سے نہ فقط مذہب کے خلاف ایک لاپروائی کا خیال ہی پیدا ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات بے ایمانی۔ بے دینی۔ زبردست مخالفت اور تُرش رُوئی بھی نمودار ہوتی ہے۔ بعض اشخاص کے خیال کے مطابق گذشتہ صدی کی سائنس کی ایجادات اور معلُومات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مذہب کی مُطلق ضرورت نہیں بلکہ یہ بھی کہ مذہب فقط تصورات اور توہمات کا مجمُوعہ ہے۔ لہٰذا اُن کے نزدیک مذہب سے کسی قسم کا رشتہ و تعلق رکھنا بے وقوفی اور حماقت ہے۔

مذہب اور سائنس کی اس باہمی مخالفت کے وجُود کے متعلق ذرا بھی

شک نہیں اور اسی وجہ سے یہ مُعاملہ غور طلب ہے۔ مثل دیگر مضامین مذہب پر بحث کرتے ہوئے بھی یہ مناسب ہے کہ احتیاط و اعتدال سے کام لیا جائے اور ہر قسم کے جوش اور جانبداری سے احتراز کیا جائے تاکہ ہم صحیح اور دُرست نتائج تک پہنچ سکیں۔ نہ تو ہم کو ان کا پاس و لحاظ کرنا چاہیئے جو مذہب کی حمایت کرنے میں مذہبی دیوانگی سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی اُن کا جن کو اپنے علم پر ناز ہے بلکہ یہ کہ فقط آزادانہ طور پر اِس مسئلہ پر غور کریں اور اپنی رائے کا اظہار کریں۔ لہٰذا اس کا فیصلہ کہ سائنس کیا ہے اور مذہب کیا ہے مطالعہ اور غور و فکر کے ذریعہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ پس یہ لازم ہے کہ سائنس اور مذہب ہر دو کی احاطہ بندی کی جائے اور اُن کی حدود مقرر کی جائیں۔ اگر یہ تصفیہ ہو جائے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے متضاد نہیں تو پھر اس مسئلہ کے حل ہونے میں کوئی بڑی مُشکل پیش نہ آئیگی۔

سائنس کیا ہے؟ سائنس قدرتی حقائق اور وقائع کا مطالعہ کرتی ہے۔ اُن کو ترتیب دیتی اور اُنہیں قوانین کے ماتحت لاکر سلسلہ وار تقسیم کرتی ہے۔ ہم اُسے قانونِ قدرت کہتے ہیں۔ مثلاً علم نباتات کا ماہر کسی گُل خوشرنگ کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ برگہائے گُل کا مطالعہ کرتا اور پھر اس کی نوعیت کا فیصلہ کرتا ہے ذرا آگے چل کر وہ اُس کی نشوونما میں قدرتی اور کیمیائی اسباب و عناصر کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اِس حد تک پہنچ کر سائنس کا کام ختم ہو جاتا ہے۔ ماہر اس کے آگے قدم نہیں رکھتا اور نہ ہی رکھ سکتا ہے۔ لیکن اُس گُل سے متعلق شاعر کے جذبات اُس سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ وہ اُس کو ہاتھ میں لیکر اس کی خوبصورتی کا ملاحظہ کرتا اس سے اثر پذیر ہوتا اور اُس کی تعریف کرتا ہے۔ ماہرِ سائنس کے لئے گُل کی خوبصورتی یا بدصورتی کچھ معنے نہیں رکھتی ماہرِ طبیعات کے ہاتھ جو شے آتی ہے

وہ اس کا تجربہ کرتا ہے لیکن اس کی خوبصورتی اور تناسب سے اُس کو کچھ دلچسپی نہیں ہوتی۔ برعکس اس کے شاعر اُس کے تناسب اعضا کا خیال کرتا ہے اور اُس کی خوبصورتی سے اُسے مسرّت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اُس کی توجہ اس کی ترتیب کی طرف مائل نہیں ہوتی۔ گُل کا مطالعہ کرنے میں ماہر سائنس اور شاعر کے دائرۂ غور و خوض بالکل جُداگانہ ہیں۔ ماہر طبیعات کا تجربہ اور اُس کی معلومات شاعر کے جذبات اور اُس کی تحریکات پر مطلق اثر نہیں کر سکتیں۔

اگر ہم اس معاملہ پر مزید غور کریں تو ہم اس گُل میں اُس کی کیمیائی ترکیب اور تغیر و تبدل اور اُس کے تناسب اعضا اور خوبصورتی کے علاوہ معنی اور مقصد بھی پائینگے۔ ہم یہ معلوم کرینگے کہ یہ گُل زندگی کے اعلیٰ نظام میں ایک عنصر ہے اور کہ ہر ایک مخلوق میں بُلندی کی جانب اِرتقا پایا جاتا ہے اور حقائق قدرت اور تمام مخلوقات میں کسی عظیم الشان عقل کا اظہار موجود ہے۔ سوال کے اس پہلو سے سائنس کو مطلق دلچسپی نہیں۔ مقصد اور معنی سائنس کی تحقیقات کی حدود سے باہر ہیں۔ سائنس فقط معائنہ کرتی اور حقائق کی ترتیب کرتی اور انہیں ایک عام قانون کے ماتحت لاتی ہے اور بس۔ لیکن عقلِ انسانی اس حد سے تجاوز کرتی اور آگے بڑھ جاتی ہے۔ وہ یہ دریافت کرنا چاہتی ہے کہ قدرت کہاں سے آئی اور کہاں جاتی ہے اور اُس میں کیا مقصد اور معنے پنہاں ہیں۔ ہم ایک بچّے کو دیکھتے ہیں جو خوش اندام ہو اور جس کے اخلاق و عادات بھی نیک ہوں۔ طبیب اُس بچہ کا معائنہ طبی نُکتہ نگاہ سے کرتا ہے۔ وہ اُس کے جسم کی چُستی اور اس کے اعضا کی حرکات کی نسبت بہت کچھ کہہ سکتا ہے۔ ماہرِ طبیعات اس کے جسم میں اجزا و عناصر کا صحیح اندازہ لگا سکتا ہے۔ لیکن اس بچّہ میں اس کے علاوہ اور بھی خواص ہیں۔ شاعر اپنی خامہ دو زبان اور مصوّر اپنی مُوئے قلم کے ذریعے اس

بچّہ کی خوبصورتی کو ظاہر کر سکتے ہیں لیکن اس بچّہ میں رُوح بھی موجود ہے وہ ایک پوشیدہ طاقت ہے جس کو ہم شخصیت اور اخلاق کے نام سے نامزد کرتے ہیں۔ بچّہ ہنستا۔ بولتا۔ کھیلتا۔ سوچتا۔ سمجھتا۔ پیار کرتا اور پیار لیتا ہے۔ بچّہ بذاتِ خود محبت اور جذبات کا ایک عالم ہے۔ بچّہ کی یہ اہم اور روحانی طاقت غور اور مُطالعہ کے قابل ہے۔ لیکن سوال کا یہ پہلو سائنس۔ حکمت اور علمِ ترکیب اجسام حیوانات کے دائرہ سے بالکل باہر ہے۔

رُوح اور شخصیت کا یہ سوال دائرۂ مذہب میں شامل ہے۔ ہمارے اخلاق اور شخصیت نیک اور بد دونوں ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ حسد و کینہ کے ماتحت ہیں تو وہ بد ہونگے اور برعکس اس کے اگر وہ اخلاص اور محبّت کے زیرِ حکم ہیں تو وہ نیک ہونگے۔ نیکی یا بدی ہی ہمارے اخلاق اور ہماری شخصیت کو بھلا یا بُرا بناتی ہے اور اسی کے مطابق ہمارے تعلّقات دوسروں کے ساتھ ہونگے۔ مذہب کا واسطہ ہماری ہستی کے اس پہلو سے ہے۔ مذہب ہم کو یہ سکھاتا ہے کہ اس دُنیا میں ہمارے ایسے اَور لوگ بھی ہیں۔ اور اُن کی شخصیت بھی ہماری شخصیت کی طرح عزّت اور قدر کے لائق ہے اور کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور تمام عالم موجودات کسی پاک اور مقدس مقصد کے لئے خلق کیا گیا ہے۔ پس اس طور سے مذہب ہم کو خود غرضی سے بچا کر محبّت کی جانب ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ وہ ہم پر یہ واضح کرتا ہے کہ ہم اس عظیم اور مقدس مقصد کو اپنی زندگیوں میں اور دوسروں کے ساتھ اپنے تعلّقات میں یاد رکھیں اور اُس کے مطابق عمل کریں۔

لہٰذا مذہب اور سائنس میں باہم کوئی مخالفت نہیں۔ باطل اور مذہبی دیوانہ پن کے خیالات اور سائنس کا بالائی مفہوم ہمارے احاطۂ مضمون سے باہر ہیں۔ اگر کوئی مذہبی دیوانہ اپنا ناقص علم لیکر دائرۂ مذہب سے باہر جائے اور علم

نباتات اور علم طبقاتِ ارض اور علمِ نجوم کے معاملات کے متعلق رائے زنی کرے تو اُس وقت مذہب اور سائنس کے درمیان زبردست فساد برپا ہوگا۔ مثلاً مذہب پرست آدمی اپنا یہ اعتقاد ظاہر کرتا ہے کہ کُل عالم موجودات چھ دن کے عرصہ میں خلق کیا گیا یا یہ کہ دُنیا آفتاب کے گرد گردش کرنے کے عوض برقرار ہے اور آفتاب اِس کے گرد گردش کرتا ہے۔ یا شاید وہ قواعد و قوانین قدرت سے عادتات طبعی کو جُدا کر دے اور اُنہیں پریوں اور دیووں کے اثر سے منسوب کر دے۔ ان تمام معاملات میں سائنس اور مذہب کے مابین عمیق فرق واقع ہو جاتا ہے۔ یقیناً اس فساد اور جُدائی کا سبب مذہب نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ فقط یہی ہے کہ اس کو وہ اختیار اور مفہوم دیا جاتا ہے جو اس کے دائرہ سے خارج ہے۔ یہی حالت اُس وقت ہوتی ہے جب کوئی ماہر سائنس تمام مخلوقات اور مصنوعات کی تشریح محض قوانین قدرت کے نکتۂ خیال سے کرتا ہے اور اُن کی تخلیق کے اعلیٰ مقصد اور اُن کی عُمدہ ترکیب سے اِنکار کرتا ہے۔ اِس وقت سائنس اور مذہب کے درمیان ایک عظیم فساد رُونما ہو جاتا ہے۔ اس کا سبب سائنس نہیں لیکن ماہرِ سائنس کا اپنی حدود سے تجاوز کر جانا ہے۔ سائنس کا تعلق مقصد اور ارادہ کے ساتھ نہیں ہے اور نہ کبھی ہو سکتا ہے کیونکہ اِن کا واسطہ محض فلسفہ اور مذہب سے ہے۔

اِس وجہ سے حقیقی سائنس اور مذہب میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا بلکہ اس کے علاوہ سائنس مذہب کی معاون ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سائنس مذہب کی تکمیل کرتی ہے۔ سائنس نے ہم کو توہمات سے آزاد کیا ہے اور یہ سکھایا ہے کہ بلا رو و رعایت ہر ایک چیز کا مطالعہ کریں اور یُوں سائنس نے بدرجہ اتم مذہب کی حمایت کی ہے۔ مذہب کو توہمات اور مذہبی دیوانگی سے محفوظ رکھنے

میں سائنس کا بڑا حصّہ ہے۔ سائنس مخلوقات اور فطرت کی عظمت کو اور قدرت میں ترتیب اور عالمِ موجودات میں ارتقا اور ترقّی کو ظاہر کر کے خدا کے متعلق ہمارے خیالات اور اعتقادات کو بلند کرتی ہے اور ہم کو ایک نیا اور حقیقی تصوّر بخشتی ہے۔ سائنس نے ہم کو یہ بتایا ہے کہ خدا ایسا حاکم مطلق نہیں جو بیقاعدگی سے کام کرتا ہے۔ بلکہ وہ ایک ایسی ہستی ہے جو عالم موجودات کو خلق کرتا اور قدرتی قواعد و قوانین کے مطابق ان کا انتظام کرتا ہے۔ یہ خیالات ہم تک ہمارے آباؤ اجداد سے چلے آئے ہیں جو اس عظیم الشان خالق کے اعمال کی نسبت ہمارے ذہنوں کو منوّر کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اُن کی بڑی قدر و منزلت ہے اور ان سب کے لئے ہم سائنس کے مرہونِ منّت ہیں۔ علاوہ بریں ہماری مادّی اور رُوحانی حاجات سائنس کی ترقّی و نشوونما پر منحصر ہیں اور اس لئے ہم سائنس کے متشکر ہیں۔ چونکہ سائنس نے ہماری زندگیوں کو تقویت بخشی اور انہیں ترتیب دی اور ہر طرح ہماری آسایش کے سامان مہیا کئے اس لئے کچھ شک نہیں کہ مستقبل میں بھی سائنس کی متواتر معلومات اور اُس کی ترقی ضرور انسان کے آرام کے اسباب پیدا کرتی رہیگی۔

اس مقام پر یہ اہم سوال پُوچھے جا سکتے ہیں یعنی آیا اس ترقّی کے زمانہ میں مذہب کی کچھ ضرورت ہے یا نہیں ؟ آیا موت کے بعد کی زندگی کا اعتقاد اور اسی قسم کے دیگر اعتقادات فقط وہم و تصوّر نہیں ؟ کیا یہ دُرست نہ ہوگا کہ ہم اپنے ضروری مشاغل کے درمیان مذہب کو نظر انداز کر دیں ؟ کیا انسان کی اصل ضروریات علم و سائنس پر مبنی نہیں ؟ کیا سائنس کی ترقّی کے باوجود مذہب کی ضرورت ہے ؟ اگر ہے تو کب اور کہاں ؟ ہم ذیل میں ان سوالات کے متعلق چند ایک نکتے بیان کیا چاہتے ہیں۔

۱۔ عقل انسانی فقط علم و سائنس سے تسلی نہیں پاتی بلکہ اس سے آگے قدم اُٹھانا چاہتی ہے۔ سائنس فقط حقائق اور وقائع کا معائنہ کرتی اور یہ بیان کرتی ہے کہ وہ کس طرح وقوع میں آئے۔ لیکن انسان اس سے زیادہ جاننا چاہتا ہے وہ ان اسباب اور علل کی تہ تک پہنچنا چاہتا ہے جو ان میں معانی پیدا کرتے ہیں۔ آیئے ہم مثال کے ذریعہ سے آپ کو اپنا مطلب سمجھائیں۔ ہمارے خاندان کا ایک عزیز کسی مرض کی وجہ سے فوت ہو جاتا ہے۔ طبیب ہم کو یہ سمجھاتا ہے کہ کس طرح جراثیم کے ذریعہ سے مرض پیدا ہوا اور کس طرح اُن جراثیم نے جسم کو برباد کر دیا۔ یہ علم ہم کو سائنس کی بدولت ہوتا ہے اور یہ نہایت لازمی ہے کیونکہ اس کے وسیلہ سے ہم جراثیم اور اُن کے عمل کے متعلق سیکھتے ہیں لیکن ہم کو اس سے تسلی نہیں ہوتی ہم یہ بھی معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اس مرض کا سبب کیا ہے اور موت کے معنی کیا ہیں۔ ہمارے خاندان کے ایک شریک کا ہم سے جدا ہو جانا ہمارے لئے نہایت تکلیف دہ ہے اور ہم از حد رنجیدہ خاطر ہو جاتے ہیں اور غمناک دلوں کے ساتھ اس راز کے انکشاف کے لئے روشنی اور نجات کی تلاش کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل خیالات ہر وقت ہمارے دل میں آتے ہیں یعنی ہمارا عزیز کیوں ہم سے جدا ہو گیا؟ زندگی اور موت کا مقصد کیا ہے؟ ہم ان معاملات پر غور کرنے اور اُن کی تہ تک پہنچنا چاہتے ہیں۔

زمانہ گذشتہ کے ایپیکیوری لوگ دُنیا میں خوشی کی تلاش کرتے تھے اور وہ ہر ایک شئے کی وقعت کا اندازہ انسانی خوشی کے معیار سے لگاتے تھے۔ یہ سب کچھ اچھا ہے ..... لیکن اس دُنیا میں بیشمار ایسی اشیا موجود ہیں جن کا نتیجہ رنج و الم ہے اور ایسی بھی جن کا نتیجہ خوشی ہے۔ جس طرح خوشی و مسرت ہمارے ذاتی تجربہ کا ایک لازمی جزو ہیں بعینہٖ ایسے رنج و غم بھی ہمارے شخصی

تجربہ کا ایک غیر منفک جزو ہیں۔ کوئی بشر اس دُنیا میں ابدالآباد خوش نہیں رہ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اپی کیورس (Epicurus) کا طریقہ بے سُود اور ناقابلِ عمل ہے۔

زمانہ قدیم کے سٹوئیکی فلسفی انسانی زندگی کے رنج و بدبختی کو تسلیم کرتے تھے لیکن وہ یہ تعلیم دیتے تھے کہ ان باتوں کو نظر انداز کرنا چاہیئے۔ وہ یہ سکھاتے تھے کہ زندگی میں رنج و خوشی یا اقبالمندی اور بدبختی کا کچھ اثر نہیں ہونا چاہیئے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ یہ بھی ممکن نہیں۔ جب ہم سے ہمارا کوئی عزیز جُدا ہوتا۔ جب کبھی ہمارا تندرست جسم کسی عارضہ میں مُبتلا ہو جاتا ہے یا ہم صاحبِ ثروت ہونے کے عوض مُفلس و نادار ہو جاتے ہیں تو مُصیبت و تکلیف کے وقت بے اعتنائی ناممکن ہو جاتی ہے۔ درحقیقت عملی زندگی میں یہ سٹوئیکی فلسفہ کارآمد نہیں ہوتا۔ بے اعتنائی اور لاپروائی کی تعلیم سے ہمارے رنج و الم کم نہیں ہو جاتے اور نہ ہی اس سے ہمارے دل کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔ ہماری عقل زندگی کے حقائق کے اسباب اور مقاصد کو دریافت کرنے کے لئے متواتر اصرار کرتی رہتی ہے۔ لیکن یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا تعلق خالق و مخلوق سے وابستہ ہے یعنی یہ مذہبی معاملہ ہے۔ زندگی کی خوشی بیرونی حالات اور اثرات کی نسبت زیادہ تر ہمارے ایمان اور ہمارے رُوحانی جذبات پر منحصر ہے۔ فقط مذہب ہی کے ذریعہ سے ہم زندگی کے صحیح مفہوم اور خوشی کو حاصل کر سکتے ہیں۔ لہٰذا سائنس بذاتِ خود اس قابل نہیں کہ انسان کی حقیقی خوشی و آرام کا مُوجب ہو سکے۔ ہم کو روحانی تفسیر اور ایمان کی ضرورت ہے۔ راست و برحق مذہب زندگی کی حقیقتیں اور اُن کے صحیح مُعانی ہمارے سامنے پیش کرتا ہے اور ہم کو اُن کے

مطالب اور مقاصد کا علم بخشتا ہے۔ وہ ہم کو یہ سکھاتا ہے کہ اس مادی دُنیا کی پُشت پر ایک ایسی رُوح اور عقل ہے جو کُل عالم موجودات کو دیکھتی اور اُس کی خبرگیری کرتی ہے اور یُوں ہمارے ایمان کا باعث ہوتی ہے۔ انگلستان کے کسی شاعر نے یہ کہکر کہ "زندگی اشکوں کی وادی نہیں بلکہ ایک ایسی وادی ہے جو ہماری رُوحوں کی تربیت کرتی ہے" ایک عظیم حقیقت کا انکشاف کیا ہے۔ یہ جاننا نہایت لازم ہے کہ زندگی اور اس کے واقعات ہمارے دُشمن نہیں ہیں بلکہ ہمارے دوست ہیں اور مَوت کوئی ہولناک بَلا نہیں بلکہ فقط اَبدی اور وسیع تر زندگی کی جانب اِنتقال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم زندگی کی اُس تفسیر سے جو سائنس کرتی ہے تسلّی نہیں پاتے۔ ہم کو رُوحانی اور اِخلاقی تفسیر کی ضرورت ہے اور یہ فقط مذہب سے حاصل ہوسکتی ہے۔

۲۔ ہم ذرا آگے بڑھتے ہیں۔ ہمارا زمانہ سائنس اور ایجاد کا زمانہ ہے۔ عجیب و غریب تحقیقات اور ایجادات کی وجہ سے اِنسان ایک زبردست طاقت کا مالک بن گیا ہے۔ ہم بڑے بڑے جہازوں کو سمندر کی لہروں کے مخالف زبردستی چلاتے ہیں۔ صدہا ریل گاڑیوں کو فقط ایک چھوٹے سے اِنجن کے ذریعہ سے دھکیلتے ہیں اور اِسی قسم سے مختلف طریق پر ہم اپنے زور و طاقت کا ثبوت دیتے ہیں اور مزید ترقی کے ساتھ ہم اس سے بھی زیادہ کرنے کے قابل ہوجائینگے۔ لیکن انسان کے درپیش ایک اَور سوال ہے جس پر کافی غور نہیں ہُوا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس قوت اور زور کا صحیح اِستعمال کس طور سے ہو۔ زور اور طاقت کا مالک ہو جانا تو نہایت عمدہ بات ہے لیکن اس سے زیادہ اہم یہ بات ہے کہ اس کو کس

مقصد کے لئے استعمال کیا جائے۔ جس طاقت کے ذریعہ سے ہم پہاڑوں کو کاٹ کر راستے اور سُرنگیں بناتے ہیں اسی کو ہم ہزارہا آدمیوں کو یکدم ہلاک کر دینے کے لئے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ وہی دوا جس سے کسی مریض کو صحت حاصل ہوتی ہے زہر کے طور پر بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔ زر و دولت طاقت ہے لیکن جس طرح ہم روپیہ کو کارِ خیر مثلاً لوگوں کو آرام۔ خوشی اور فائدہ پہنچانے کے لئے استعمال کرتے ہیں اُسی طرح ہم اس کو اپنی خود غرضی کے پُورا کرنے کا وسیلہ بھی بنا سکتے ہیں۔ سائنس بھی ایک عظیم طاقت ہے لیکن سائنس کسی متکبر اور بدخُلق شخص کے ہاتھ میں آکر فائدہ کے عوض بہت نقصان کا باعث ہو سکتی ہے۔ فی زمانہ انسان کی خوفناک مصائب کا سبب لاعلمی نہیں بلکہ علم کا مفید اُمور اور رفاہِ عام کے لئے استعمال نہ کیا جانا ہے۔ یہ سوال کس طرح حل ہو سکتا ہے اور اِس کی عُقدہ کُشائی کس طریق پر ممکن ہے؟ انسان کو نیک اخلاق کون دیگا؟ کون لوگوں کو ایک دوسرے سے محبت رکھنی سکھائیگا؟ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص عالم ہو بلکہ مختلف عُلوم مثلاً علم نجوم۔ علم کیمیا۔ علم طبعی کا بھی ماہر ہو لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ خود غرض ہو اور نہ دوسروں کی عزت کرے اور نہ اُن سے محبت رکھے۔ ہمارے لئے یہ جاننا نہایت لازم ہے کہ اخلاق اور اطوار عالمِ موجودات کی ماہیت اور اس کے مُعانی کے متعلق ہمارے خیالات اور اعتقادات سے وابستہ ہیں۔ اگر یہ عالم کسی کور باطن تقدیر و قضا کے قبضہ میں ہے تو آؤ ہم کھائیں اور پئیں اور راستی کا کچھ خیال نہ کریں آؤ ہم

ایک دُوسرے کو محظوظ کریں اور خوشی منائیں۔ لیکن اگر کُل عالم موجودات کے مُعانی راستبازی اور عدل و اِنصاف ہے تو پھر اِس قسم کی زندگی بسر کرنا ممکن نہیں۔ لوگوں کی تکلیفات اور مصائب از حد دینداری کا نتیجہ نہیں ہوتیں بلکہ اُس ظاہری راستبازی کا جو محض زبانی اقرار سے متعلق ہے۔ مذہب سے مُراد چند ایک رُسوم کی ادائیگی یا اپنے لبوں سے ایمان کا اقرار نہیں بلکہ دل سے خدا پر ایمان لانا اور راستبازی کی زندگی بسر کرنا اور اِنصاف سے کام لینا ہے۔ اِنسان کے لئے بجز اِس کے اَور کوئی راہِ نجات نہیں کہ وہ مذکورہ بالا حقیقت سے خُوب واقف ہو جائے اور راہِ راست پر چلے۔ بنی نوع اِنسان ایک دُوسرے کے اعضا اور مددگار ہیں پس ضرور ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ اِنصاف اور راستی کا سلُوک کریں۔ ایک دُوسرے سے محبت رکھیں اور ایک دوسرے کی نسبت نیک خیال کریں۔ مذہب ہم کو یہ سب کچھ سکھائیگا۔ انسان کی بہتری و بہبُودی خوشی اور آسایش کے لئے سائنس کافی نہیں۔ ضرور ہے کہ مذہب سائنس کی تکمیل کرے۔ ورنہ تہذیب کی عظیم الشان عمارت کی بُنیاد ریت پر رکھی جائیگی اور بادِ حوادث کے زبردست جھوسکے اُسے مسمار کر دیں گے۔

۳۔ حقیقی مذہبی زندگی کی مثال مسیح کی زندگی۔ اس کے احکام اور اُس کی تعلیم ہیں اور وہ غور طلب ہیں۔ مسیح نے کوئی قواعد و قوانین نہیں دیئے۔ سائنس اور علمی مسائل سے اُسے کچھ سروکار نہ تھا۔ اس نے علم نباتات۔ علم حیوانات۔ نجوم اور دیگر علوم طبعی کی

نسبت تعلیم نہ دی۔ اس نے خلقت کے اسرار نہ ظاہر کئے لیکن اُس نے اپنے تمام زور اور پُوری طاقت سے اِخلاق کی بُنیاد کو مضبُوط کیا۔ اس نے نہایت واضح طور پر ظاہر کر دیا کہ انسان کو انفرادی اور قومی حیثیت میں خدا کی ضرورت ہے جس حال کہ اس کے چوگرد لوگوں کے اخلاق گرے ہوئے تھے اور وہ کذب اور دروغ گوئی میں مشغول تھے مسیح نے فرمایا "تمہاری ہاں ہاں ہو اور تمہاری نہ نہ"۔ اس نے ہم کو یہ تعلیم دی کہ ہم جھُوٹ سے نفرت کریں اور وہ خود بھی اس سے نفرت کرتا تھا۔ اُس نے فرمایا "دو مالکوں کی خدمت نہیں ہو سکتی۔ تم خدا اور خود غرضی دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے"۔ مسیح نے یہ نہ صرف اپنی زبان سے بلکہ اپنی زندگی اور اپنے اُصولوں سے بھی ثابت کیا۔ وہ اپنی زندگی کے سب سے مشکل ترین اوقات میں بھی حق پر ثابت قدم رہا۔ اور اُس نے دروغ گوئی اور بد دیانتی سے احتراز کیا۔ یسُوع نے محبت کی تائید کی۔ اس نے یہ سکھایا کہ ایسے لوگوں سے نیک سلُوک کرنا جو تمہیں برکت دیتے ہیں کوئی خوبی نہیں بلکہ کمال اِس میں ہے کہ ایسے لوگوں سے نیکی کرو جو تمہیں لعن طعن کرتے ہیں۔ یسُوع کی زندگی۔ اُس کے اعمال اور اُس کا کلام اِن اصولوں کی بہترین اور نہایت خوبصورت مثال ہے۔ اس نے لوگوں کے ساتھ اپنے سے زیادہ محبت رکھی اور اُس نے اُن لوگوں کے ساتھ بھلائی کی جو اُسے برباد کیا چاہتے تھے۔

مسیح کا خدا کو "باپ" کا نام دینا اس کے ایمان کا نتیجہ تھا۔ مسیح کا خدا کو "باپ" کے نام سے بُلانے کا سبب یہ تھا کہ خدا ایک ظالم۔

جبّار اور مطلق العنان ہستی نہیں بلکہ وہ ایک الٰہی ہستی ہے جو ہماری بھلائی چاہتی اور ہم سے محبت رکھتی ہے۔ اس دُنیا میں خواہ ہمارے دوست آشنا کتنے ہی کیوں نہ ہوں تو بھی اُن کی دوستی کی ایک حد ہوتی ہے۔ ایک سچّا اور حقیقی باپ اپنے بچّے کو اپنے تمام دل و جان سے پیار کرتا ہے اور ہمیشہ اپنے بچّے کی بہتری و بہبودی چاہتا ہے۔ یسُوع نے خدا کو ہمارے سامنے اسی صورت میں پیش کیا۔ اور یہ اِنسانی زندگی کی محکم و اُستوار بُنیاد ہے۔ ہمیشہ راستی اور اِنصاف کو ملحوظ رکھنا۔ دوسروں کے فائدہ کو مدِّنظر رکھنا اور عداوت تکبّر اور کینہ کے عوض دوسروں کی عزّت کرنا اور اُن سے محبّت رکھنا اور خدا کو ایک ایسا باپ تسلیم کرنا جو سب اِنسان سے محبّت رکھتا اور اُنہیں ہر قسم کی برکتوں سے مالا مال کرتا ہے انسان کے اِخلاق اور انداز میں نہایت اہم باتیں ہیں۔ کَون ہم کو یہ باتیں بتائیگا اور کَون ہم کو ان کی تعلیم دیگا؟ سائنس اور علم نہ تو ہم کو ان کی نسبت کچھ بتاتے ہیں اور نہ ان کا ان معاملات سے کچھ واسطہ و تعلّق ہے۔ اِنسان کو سب سے زیادہ اِس امر کی ضرورت ہے کہ اُس کی رُوح اور اُس کے اِخلاق کی اِصلاح ہو۔ ہماری اصل ضرورت یہی ہے۔ تمام اِنفرادی اور معاشری مسائل کی اصل مشکل اِنسان کی خودغرضی اور رُوح کی خرابی سے پیدا ہوتی ہے۔ اس خرابی کے دُور کرنے کی ضرورت ہے۔ سائنس ایک لازمی چیز ہے اور چاہئے کہ ہم بہ دل و جان سائنس کے تمام بیش بہا خزانوں کو اپنے قبضہ میں رکھیں۔ لیکن سائنس اِس قابل نہیں کہ ہم کو اس اِخلاقی اور

رُوحانی خرابی سے نجات دے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا تعلق اِنسانی ذات سے ہے۔ پس وہ حقیقی و برحق ایمان سے حل ہو سکتا ہے۔ عادل و رحیم خدا پر جو سب کو دیکھتا اور سب سے محبت رکھتا ہے صادق ایمان لانا اس رُوحانی طاقت کو قائم کر سکتا ہے۔ چاہیئے کہ ہم سطحی اور سرسری خیالات اور فکروں سے خبردار رہیں۔ انسان صاحبِ عقل و دماغ ہے وہ ایسی غور و فکر کے قابل ہے۔ اس لئے اِنسان کو سائنس کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان روحانی ہستی بھی ہے۔ اِنسان میں جذبہ۔ ضمیر اور روح موجود ہے جو نیک و بد میں امتیاز کرتا ہے۔ پس اس لئے بھی انسان کو حق۔ نیکی اور خدا کی جو سب چیزوں کا خالق و مالک ہے ضرورت ہے۔ لہذا زندگی سے بہترین طور پر فیضیاب ہونے کے لئے انسان کو سائنس اور مذہب دونوں کی ضرورت ہے اور چاہیئے کہ وہ خدا اور سائنس دونوں کو دوست رکھے۔ چاہیئے کہ ہم دونوں کے لئے غیرت مند ہوں۔ انفرادی اور معاشری خوشی حاصل کرنے میں نہ تو جاہل مذہب دوست آدمی ہماری مدد کر سکتا ہے اور نہ ہی لامذہب ماہرِ سائنس۔ زندگی کے لازم ترین فرائض میں سے ایک یہ ہے کہ عقل اور رُوح دونوں میں باہم مطابقت اور موافقت کو قائم رکھا جائے۔